

اندلس کا رازی خانوادہ مؤرخین

ظہور احمد اظہر

اسلامی اندلس کی سیاسی اور ادبی تاریخ بڑی دلچسپ اور عبرت آموز ہے۔ یہ جتنی دلچسپ اور عبرت آموز ہمارے لئے ہے اتنی ہی غیروں کے لئے بھی۔ سب حیران ہیں کہ ایک ایسی عظیم قوم جس نے اپنے اصلی وطن سے ہزاروں میل دور سمندر پار ایک ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کی جس کی سیاسی، ثقافتی اور علمی روایات انسانی تاریخ کا ایک قابل فخر کارنامہ ہیں، ایک ایسی سلطنت جس کی سیاسی ہیبت اور فوجی قوت و برتری سے ایک عالم لرزہ براندام تھا اور جس کی اندرونی خوشحالی کا یہ عالم تھا کہ بقول ڈوزی اسلامی اندلس کی خوشحال قوم کا ہر فرد لکھنا پڑھنا جانتا تھا، (قرون وسطیٰ کی کسی قوم کے بارے میں کسی جانبدار مؤرخ کی یہ رائے بڑا وزن رکھتی ہے، اسی ایک بات سے اسلامی اندلس کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے) تعجب ہے کہ اتنی عظیم قوم اس خطہٴ ارضی سے یوں محو ہوگئی جیسے کبھی تھی ہی نہیں اور آج اگر اس خطے میں اس کی عظمت رفتہ کے شواہد و آثار موجود نہ ہوتے تو دنیا اسے سن گھٹرت افسانہ سمجھتی۔ اسلام کی تاریخ میں اور کوئی ایسا خطہ نظر نہیں آتا جہاں مسلمانوں کا نام و نشان تک باقی نہ ہو۔ یہ تو ہوا کہ مسلمانوں کی سلطنت اور اقتدار ختم ہو گیا مگر جہاں جہاں مسلمان گئے اور سلطنتیں قائم کیں، وہاں آج تک مسلمان موجود ہیں۔ اسلامی اندلس ایک منفرد مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی اندلس کی تاریخ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی عبرت آموز بھی ہے۔

باوجود اس کے کہ اندلس کے مسلمانوں نے آٹھ صدیوں کے دوران علوم و

معارف کے جو ذخائر جمع کئے تھے ہسپانیہ کے متعصب عیسائیوں نے انہیں جلا کر خاکستر کر دیا، لیکن ان کی دست برد سے جو کچھ بچ گیا وہ بھی ایک قابل فخر سرمایہ سے کسی طرح کم نہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اندلس کی سیاسی اور ادبی تاریخ کے بارے میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مواد کافی موجود ہے۔ اندلس کی سیاسی اور ادبی تاریخ کو محفوظ کرنے کی شاندار روایت قائم کرنے کا سہرا اسلامی اندلس کے سب سے پہلے مؤرخ محمد بن موسیٰ الکنانی الرازی اور اس کی اولاد کے سر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس خانوادہ مؤرخین کا ہم پر اتنا بڑا احسان ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ بعد میں آنے والے تمام اندلسی مؤرخ جغرافیہ دان اسی خاندان کے خوشہ چین ہیں اور ان کو سب نے اپنا مرجع و رہنما تسلیم کیا ہے۔ ہم اس خانوادہ مؤرخین کی علمی خدمات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

محمد الرازی

اندلسی مؤرخین کے اس خاندان میں مسلسل تین پشتوں تک یکے بعد دیگرے ایسے صاحب علم و فضل تاریخ نگار پیدا ہوتے رہے جن کی تصانیف اور جمع کردہ معلومات بعد کے مؤرخین کے لئے بنیادی مواد کا کام دیتی رہیں۔ باپ بیٹے اور پوتے نے فتح اسلامی سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے آخر تک کی ابتدائی تاریخ کو بڑی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ محفوظ کر دیا ہے۔

مؤرخین کے اس خاندان کا جد امجد اور اسلامی اندلس کا سب سے پہلا مؤرخ محمد بن موسیٰ بن بشیر بن جناد بن لقیط الکنانی الرازی خالص عرب خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو عہد اسلام میں ایران کے مشہور شہر ”ری“ میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ فتح کے موقع پر اسلامی لشکر کے جو دستے مختلف جہنڈے اٹھائے اندلس میں داخل ہوئے تھے ان میں بنو کنانہ کے لوگ بھی بڑی تعداد میں شامل تھے اور انہوں نے اندلس میں اپنی مستقل بستیاں آباد

کر لی تھیں۔ انہی بستیوں میں سے ایک بستی ”وقش“ تھی جس نے کنانی خاندان کے بڑے بڑے فضلاء اور اعیان کو جنم دیا۔ ان میں امام ابو الولید ہشام بن احمد الوقشی، ان کا بھتیجا ابو جعفر احمد بن عبد الرحمن الوقشی اور مشہور سیاح ابن جبیر کے نام بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں (ابن جبیر ابو جعفر الوقشی کا داماد بھی تھا) ایک تو قبیلے کے لوگوں کی کشش نے دوسرے اندلس کے اسوی حکمرانوں کی علم دوستی نے محمد الرازی کو دیار اندلس سے رغبت اور دلچسپی پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے وسط (تقریباً ۲۵۱ھ/۸۶۳ء) میں وہ پہلی بار مشرق سے اندلس میں وارد ہوا۔ وہ ایک تاجر تھا اور تجارت کی غرض سے ہی وہ اندلس میں آیا تھا لیکن خدا نے اسے علم و ادب اور خطابت و فصاحت لسانی میں جو اعلیٰ صلاحیت اور بلند مقام عطا کیا تھا اس کی بدولت نہ صرف یہ کہ اندلس کے علمی و ادبی حلقے اس کے گرویدہ ہو گئے بلکہ اندلس کے اسوی حکمران بھی اس کے علم و فضل کے معترف ہو گئے۔ اسوی شہزادہ محمد اول بن عبد الرحمن (۲۷۳ تا ۲۷۵ھ/۸۸۶ تا ۸۸۸ء) اس سے بہت محبت و احترام سے پیش آتا تھا اور اس پر بہت اعتماد کرتا تھا۔ بارہا اس نے محمد الرازی کو سلاطین مشرق کے علاوہ اندلس کے بعض حکمرانوں کے ہاں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ محمد اول کا بیٹا شہزادہ المنذر بھی اس کا بے حد احترام کرتا اور ہمیشہ اس پر اعتماد کرتا تھا۔ ربیع الآخر ۲۷۳ھ (۸۸۶ء) میں اسی شہزادہ المنذر کی سفارت کے سلسلے میں البیر سے واپس آنے ہوئے رازی کا انتقال ہوا۔

محمد الرازی جب اندلس میں وارد ہوا تو قرطبہ اور دیگر علمی مراکز پر مشہور اندلسی عالم، محدث، فقیہ اور مؤرخ عبد الملك بن حبيب السلمی کے شاگرد چھائے ہوئے تھے۔ رازی کو چونکہ تجارت و سیاحت سے دلچسپی تھی اس لئے قدرتی طور پر اس نے اندلس کے جغرافیائی اور تاریخی حالات کے علاوہ اس کی فتح کے واقعات میں گہری دلچسپی لی۔ اندلس میں موسیٰ بن نصیر کے

داخلے سے لے کر واپسی تک کے وہ تمام واقعات بڑی محنت سے مرتب کئے جو اس نے ابن حبیب السلمی کی روایت میں اس کے شاگردوں سے سنے تھے، خصوصیت کے ساتھ اس نے عسکر اسلام کے ان دستوں کے اندلس میں داخلے، نقل و حرکت، اقامت اور فاتحانہ پیش قدمی کی تفصیلات کو ایک کتاب میں جمع کر دیا تھا جو موسیٰ کے ساتھ فتح اندلس میں شریک تھے، رازی کے بیان کے مطابق جب موسیٰ بن نصیر اندلس میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ بیس سے زائد راویات (راویات کا واحد راہہ ہے جس کے معنی ہیں جھنڈا) تھے جن میں سے دو موسیٰ بن نصیر کے اپنے تھے، ان میں سے ایک انہیں عبد الملک بن مروان نے اور دوسرا اس کے بیٹے ولید نے عطا کیا تھا، تیسرا عسکری علم موسیٰ کے بیٹے عبد العزیز کا تھا جو اندلس کا پہلا گورنر مقرر ہوا تھا (۵)۔

رازی نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن نصیر کا اسلامی لشکر بحری جہاز سے اتر کر اندلس میں داخل ہوتے وقت جبل قرده کے دامن سے گزرا۔ یہ پہاڑ بعد میں سرسی موسیٰ (یعنی موسیٰ بن نصیر کے لنگر انداز ہونے کی جگہ) کے نام سے مشہور ہوا، اسلامی لشکر نے جزیرہ خضراء میں باہم صلاح و مشورہ کیا اور پھر اشبیلیہ کی طرف بڑھنے اور اشبونہ تک باقی ماندہ مغربی اندلس کو فتح کرنے کا فیصلہ ہوا۔ جس جگہ یہ مشورہ ہوا تھا وہاں موسیٰ بن نصیر نے ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا جو مسجد الراویات کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی مناسبت سے رازی نے اپنی تصنیف کا نام کتاب الراویات رکھا (۶)۔

افسوس کہ جس کتاب کے ذریعے رازی نے اسلامی اندلس کا اولین مؤرخ ہونے کا شرف حاصل کیا وہ گردش زمانہ کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکی اور ضائع ہو گئی لیکن خوش قسمتی سے اس کتاب کا مکمل مواد اور بعض تطویل اقتباسات دو کتابوں میں محفوظ کر لئے گئے ہیں، ان میں سے ایک کتاب تو الرسالہ الشریفیہ الی الاقطار الاندلسیہ ہے، اس کتاب کا مصنف تو معلوم نہیں

لیکن اس کے مواد کی اکثر روایت ابن حبیب السلمی سے منسوب ہے جس نے یہ سب واقعات موسیٰ بن نصیر کے ساتھی اور مشہور تابعی حضرت علی بن رباح سے براہ راست سنے تھے اور بعض روایات ایک شخص محمد ابن مزین سے منسوب ہیں جو یہ بیان کرتا ہے کہ ۲۷۱ھ میں اسے اشبیلیہ کے ایک کتب خانے میں محمد بن موسیٰ الرازی کی کتاب الرایات ملی تھی۔ ابن مزین نے کتاب الرایات کے مواد کو بعض اوقات اپنے الفاظ میں اور بعض اوقات طویل اقتباسات کی شکل میں نقل کیا ہے۔ دوسری کتاب جس میں رازی کی اس کتاب کا مواد اور اقتباسات موجود ہیں، محمد الغسانی کی کتاب ”رحلہ الوزير فی اقتکاک الاسیر“ ہے۔ یہ محمد الغسانی سیرا کش کا وزیر تھا اور اس نے ۱۱۰۲ھ (۶۹۱ء) میں سفیر کی حیثیت سے اندلس کا سفر کیا تھا، یہ دونوں کتابیں چھپ چکی ہیں اور دستیاب ہیں۔

رازی نے اپنی اس کتاب میں فتح اندلس کے مفصل واقعات کے علاوہ موسیٰ بن نصیر کی ان تدابیر کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے جو انہوں نے فتح کے بعد نظم و نسق کی خاطر اندلس کی صوبائی تقسیم کے سلسلے میں اختیار کی تھیں، ان صوبوں کے پہلے سربراہوں کے نام بھی دیئے ہیں۔ یہ بات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ رازی نے موسیٰ بن نصیر کے دفاع میں بہت زور صرف کیا ہے۔ وہ جہاں سلیمان بن عبد الملک کو خطا کار ٹھہراتا ہے وہاں موسیٰ کو ہیگناہ، ایک قابل اور دیانت دار جرنیل ثابت کرتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ اس عظیم سپہ سالار اور سچے مسلمان تابعی پر جو الزامات عائد کئے جاتے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔

احمد الرازی

اندلسی مؤرخین کے اس رازی خاندان میں ابو بکر احمد بن محمد بن موسیٰ بن جناد بن لقیط الداری الکنانی الرازی ممتاز حیثیت رکھتا ہے، تاریخ، ادب،

شعر و شاعری اور قوت حفظ و ضبط میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے باپ محمد الرازی نے اسلامی اندلس کی تاریخ کو جہاں چھوڑا تھا اس نے وہاں سے اسے آگے بڑھایا اور اس میں قیمتی اضافے کئے۔ احمد نے تاریخ مرتب کرنے وقت ان مآخذ کو بھی استعمال کیا جو اس کے والد کی رسائی سے باہر تھے۔ کتب تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ احمد الرازی نے تاریخ کے موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں کیونکہ اس کے نام کے ساتھ ”احمد التاریخی یا احمد صاحب التواریخ“ کے الفاظ ملتے ہیں۔ (۷)

ابن الفرضی کے قول کے مطابق احمد الرازی ۱۰ ذوالحجہ ۲۷۴ھ کو اندلس میں پیدا ہوا (۸)۔ بعد کے تمام مؤرخ اور تذکرہ نگار اسی قول پر اعتماد کرتے ہوئے یہی تاریخ پیدائش لکھتے ہیں لیکن اگر یہ قول درست مان لیا جائے تو پھر ایک مشکل پیدا ہو جاتی ہے جس کی طرف کسی تذکرہ نگار کا خیال نہیں گیا، اور وہ یہ کہ اس طرح باپ کی وفات اور بیٹے کی پیدائش کے درمیان تقریباً دو سال کا فاصلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ احمد الرازی کی پیدائش اور اس کے باپ محمد الرازی کی وفات کے درمیان جو یہ اتنا طویل وقفہ ہے اس کی نہ تو آج تک نشاندہی کی گئی اور نہ اس کا کوئی واضح سبب بیان کیا گیا۔ ہمارے تذکرہ نگار اور مؤرخ جہاں بین سے کام لئے بغیر یونہی نقل در نقل کرتے چلے گئے ہیں۔

ابن الابارنے باپ یعنی محمد الرازی کی تاریخ وفات ربیع الثانی ۲۷۳ھ (۸۸۶ء) لکھی ہے۔ بعد میں المقری، خیر الدین زرکلی، عمر رضا کحالہ اور فاضل مستشرق لیوی پروفنسال نے اسی پر اعتماد کیا ہے (۹)۔ ابن الفرضی نے بیٹے یعنی احمد الرازی کی جو تاریخ پیدائش (۱۰ ذوالحجہ ۲۷۴ھ) لکھی ہے اسے یاقوت الحموی، سیوطی، زرکلی، کحالہ اور ایوی نے صحیح سمجھتے ہوئے نقل کر دیا ہے (۱۰) لیکن سوچنے کی بات ہے کہ یہ بعد کیسے پیدا ہو گیا۔ باپ

جب ربیع الثانی ۲۷۳ ھ مطابق ستمبر ۸۸۶ء میں فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا پورے اکیس بائیس ماہ بعد ۱۰ ذوالحجہ ۲۷۳ ھ (۲۶-اپریل ۸۸۸ء) کو کس طرح پیدا ہوا؟ اگر یہ تاخیر غیر معمولی مدت حمل کے باعث تھی تو اس کی نشاندہی ضروری تھی۔ ورنہ کہا جائے گا کہ یہ سطحیت و بے نیازی یا سہو کتابت کا کرشمہ ہوگا۔ متقدمین کو تو اس سلسلے میں معذور سمجھا جا سکتا ہے، کیونکہ ان میں سے جس کسی نے باپ کا ذکر کیا اس نے بیٹے کا ذکر اپنی کتاب میں نہیں کیا۔ بعض نے باپ کا تذکرہ کیا ہے اور بعض نے صرف بیٹے کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ مگر متاخرین میں سے جدید عرب دنیا کے دو فاضل تذکرہ نگار خیر الدین زرکلی صاحب الاعلام اور عمر رضا کچالہ صاحب معجم المؤلفین کسی طرح بھی معذور نہیں سمجھے جا سکتے کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے اپنے تذکروں میں باپ بیٹے دونوں کا ذکر کیا ہے اور باپ کی وفات اور بیٹے کی پیدائش کے اس فاصلے پر توجہ نہیں دی۔ سب سے زیادہ قابل رحم حالت مشہور مستشرق مسٹر لیوی کی ہے جس نے باپ اور بیٹے کا تذکرہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے ایک ہی مقالے میں کیا ہے اور ایک ہی سانس میں باپ کی وفات ربیع الثانی ۲۷۳ ھ (۸۸۶ء) بتائی اور پھر ۱۰ ذوالحجہ ۲۷۳ ھ (۲۶-اپریل ۸۸۸ء) بیٹے کی تاریخ پیدائش لکھ دی، مگر اس نے یہ نہ بتایا (یا اس کی سمجھ میں نہ آیا) کہ یہ ہونے دو سال کا فاصلہ کیا معنی رکھتا ہے۔

بہر حال ابن الابار یا ابن الفرزی میں سے کسی ایک کا بیان یقیناً غلط ہے اور اسے مسترد کرنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ ابن الفرزی کا بیان درست ہے اور ابن الابار کا بیان یا تو کسی غلط روایت کی پیداوار ہے اور یا نقل نویسی کا کرشمہ ہے، ۳ کا ہنسنہ ۳ سے بدل گیا، ورنہ باپ کی وفات اور بیٹے کی پیدائش ۲۷۳ ھ ہی ہے۔ (۱۱)

احمد الرازی کا باپ اندلس کے بادشاہوں کے ہاں بڑا اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ اس نے محمد بن عبد الرحمن اموی اور اس کے بیٹے المنذر کی سفارتی خدمات بھی انجام دی تھیں۔ اس کے علاوہ ایک فصیح البیان عالم و فاضل اور ناسور مؤرخ کی حیثیت سے اس نے اندلس کے علمی و ادبی حلقوں سے خراج تحسین بھی وصول کیا تھا۔ چنانچہ جب بیٹا بڑا ہوا تو نہ صرف اسے شاہی درباروں میں رسائی حاصل ہوئی بلکہ باپ کی طرح وہ بھی اہل علم کی توقعات پر پورا اترتا اور بہت جلد ایک ممتاز مؤرخ کی حیثیت سے شہرت حاصل کر لی۔

احمد الرازی نے جب آنکھ کھولی تو قرطبہ اہل علم و فضل کا گہوارہ اور ایک مضبوط علمی و ثقافتی مرکز بن چکا تھا (۱۲) جہاں بلاد مشرق سے آنے والے اہل علم اپنے علوم و معارف کے سوتے بکھیر رہے تھے اور اندلس سے جانے والے طالبان علم و دانش واپس آ کر تدریس و تالیف میں مشغول تھے۔ اس کے علاوہ اندلس کے اموی حکمرانوں کی علم پروری اور کتاب دوستی کے باعث بلاد مشرق کی معیاری کتابوں کے نفیس نسخوں کے انبار لگ رہے تھے اور بہت جلد وہ وقت آنے والا تھا جب اندلس کا ہر گھر کتب خانہ اور وہاں کا ہر باشندہ پڑھنے لکھنے کے قابل بننے والا تھا۔ احمد الرازی نے اپنے باپ کے فن کو اپنانے کا فیصلہ کیا اور فضائل وقت سے مستفیض ہونے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کے ذخائر سے استفادہ بھی کیا۔

احمد الرازی نے قرطبہ کے جن مشہور اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں شیخ ابو عمر احمد بن خالد المعروف بابن الحباب (۱۳) القرطبی (متوفی ۳۲۲ھ) اور مشہور محدث، ادیب اور مؤرخ ابو محمد قاسم بن اصبح البیانی (۱۴) (متوفی ۳۳۲ھ) اہم مقام رکھتے ہیں۔ یہ البیانی ان لوگوں میں سے تھے جو اندلس سے چلکر مشرق کے بلاد اسلامیہ میں سب سے پہلے وارد ہوئے تاکہ عربی و اسلامی علوم کے سرچشموں سے براہ راست سیراب ہو سکیں۔ اس نے مشرق کے جن علماء سے

استفادہ کیا ان میں محمد بن اسماعیل ترمذی اور ابو محمد عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ الباہلی بھی شامل ہیں۔

احمد الرازی نے اندلس اور اہل اندلس کے بارے میں کئی ایک قابل قدر کتب تاریخ مرتب کی تھیں۔ اس کا باپ ایک تو مشرقی نو وارد ہونے کے باعث اور دوسرے صرف ایک کتاب الرایات کے نام سے مختصر سی کتاب لکھنے کے سبب وہ شہرت و عزت حاصل نہ کر سکا تھا جو اس کے بیٹے کو نصیب ہوئی۔ اپنے باپ کے برعکس وہ پیدائشی طور پر اندلسی تھا اور اندلس والے بجا طور پر اسے اپنا سب سے پہلا مؤرخ خیال کرتے تھے۔ ابو محمد عبد اللہ بن فتوح الحمیدی (متوفی ۴۸۸ھ) کا بیان (۱۵) ہے کہ احمد الرازی نے تین عظیم الشان کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ان میں سے ایک ”تاریخ الاندلس“، ہے جس میں اس نے فتح اندلس سے لیکر اپنے عہد تک کی مفصل و مکمل تاریخ جمع کی۔ اس کتاب میں اس نے اپنے باپ کی کتاب الرایات کا مواد بھی شامل کر دیا اور اس کے علاوہ دوسرے زبانی اور تحریری مصادر سے بھی استفادہ کیا۔ احمد الرازی کی یہ کتاب اتنی مفصل اور جامع تھی کہ بعد میں آنے والے ہر مؤرخ اور تذکرہ نگار نے اس سے استفادہ کیا اور جگہ جگہ اس کے اقتباسات اپنی تصانیف میں نقل کئے ہیں۔

دوسری کتاب ”صفہ قرطبہ“، یعنی قرطبہ کا تاریخی جغرافیہ ہے۔ اس کتاب میں قرطبہ شہر کی تاریخ، جغرافیہ اور شہر کے عظماء و اعیان کا مبسوط تذکرہ بھی شامل تھا۔ احمد الرازی نے یہ کتاب مرتب کرتے وقت احمد بن ابی طاہر بغدادی کی کتاب ”اخبار بغداد“، کو سامنے رکھا تھا۔ رازی کی تیسری اہم تصنیف ”انساب مشاہیر اہل الاندلس“، ہے جس میں اہل اندلس کے انساب بڑی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے۔ یہ کتاب پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی۔ اندلس میں ظاہری مذہب کے امام اور مشہور

عالم انساب ابو محمد علی بن احمد ابن حزم نے اپنی کتاب جمہرۃ انساب العرب کی تدوین و ترتیب میں اس سے بڑی مدد لی۔ الحمیدی (۱۶) نے خود ابن حزم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر اور مفصل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

یاقوت الحموی (۱۷) نے اس کی تین اور کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ کتاب التاریخ الاوسط، کتاب التاریخ الاصغر اور کتاب مشاہیر اہل الاندلس۔ مؤخر الذکر کتاب کے بارے میں یاقوت کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک عمدہ تصنیف تھی اور پانچ جلدوں پر مشتمل تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب دراصل انساب مشاہیر اہل الاندلس ہی ہو، جسے یاقوت نے کتاب مشاہیر اہل الاندلس کے نام سے ذکر کیا ہے۔

المقری (۱۸) احمد الرازی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس نے اندلس کی تاریخ پر بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ان میں سے اکثر المقری کی نظر سے گزریں اور نفع الطیب کی ترتیب میں اس نے ان سب سے استفادہ کیا۔ وہ احمد الرازی کی تین کتابوں کا بطور خاص ذکر کرتا ہے۔ (۱) اخبار عمر بن حفصون، (۲) اخبار عبد الرحمن بن مروان الجلیقی (۳) اخبار بنی قسی۔ المقری (۹۱) ابن الابار کے حوالے سے الرازی کی ایک کتاب جغرافیہ کا بھی ذکر کرتا ہے جس میں اس نے اندلس کے جغرافیائی حالات کی تفصیل قلمبند کی ہے۔ اصل کتاب تو ضائع ہو چکی ہے لیکن اس کے قسطلی اور پرتگیزی تراجم محفوظ ہیں۔ پروفیسر لیوی پروفنسال کا بیان ہے کہ یہ کتاب عبد الرحمن الناصر کے عہد کے اندلس کے بارے میں جغرافیائی معلومات کے علاوہ سیاسی و معاشرتی معلومات بھی مہیا کرتی ہے۔ موصوف کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ یاقوت نے معجم البلدان میں رازی کی اس کتاب سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہوگا۔

صحیح ترین قول کے مطابق احمد الرازی کی وفات ۱۲ - رجب ۳۳۳ ھ کو ہوئی۔

عیسیٰ بن احمد الرازی

رازی خانوادہ مؤرخین کا آخری چشم و چراغ عیسیٰ بن احمد بن محمد الرازی بھی اپنے باپ اور دادا کی طرح ایک ممتاز فاضل اور نامور مؤرخ تھا۔ اسلامی اندلس کی تاریخ کا کام جہاں اس کے باپ نے چھوڑا تھا عیسیٰ نے اسے آگے بڑھایا تاریخ اندلس کے جو گوشے اس کے باپ سے پوشیدہ یا نامکمل رہ گئے تھے انہیں مکمل کیا اور اپنے عہد تک کی سیاسی و علمی تاریخ مرتب کی۔ تاریخ کے جن ماخذ تک باپ کی رسائی نہ ہو سکی تھی اس نے ان سے بھی پورا پورا استفادہ کیا۔ بعد میں آنے والے مؤرخین مثلاً ابو مروان ابن حیان، ابن الابار القضاعی اور احمد المقرئ کی کتب تاریخ عیسیٰ الرازی کے اقتباسات اور تاریخی مواد سے بھری پڑی ہیں۔ عیسیٰ نے تاریخ کے جن متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا ان کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ اس میدان میں اپنے باپ اور دادا سے کسی طرح کم نہ تھا۔ (۲۰)

ابن عبدالملک المراكشى نے اپنی کتاب میں عیسیٰ الرازی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے تاریخ اور علوم متداولہ کی تحصیل زیادہ تر اپنے والد ابوبکر احمد الرازی سے کی تھی۔ وہ خلیفہ الحکم المستنصر اور المنصور بن ابی عامر کے درباروں سے وابستہ رہا، اول الذکر کے لئے اس نے اندلس کی مفصل تاریخ پر ایک کتاب تصنیف کی تھی اور مؤخر الذکر کے نام اپنی دو تصانیف معنون کیں (۲۱)۔

خلیفہ الحکم المستنصر بالله کے لئے ”تاریخ الاندلس“ کے نام سے جو کتاب عیسیٰ الرازی نے مرتب کی تھی اس میں نہ صرف وہ مواد شامل تھا جو اس

کے دادا محمد الرازی کی کتاب الرایات اور اس کے والد احمد الرازی کی کتب تواریخ میں موجود تھا ، بلکہ مختلف مستند مآخذ کی روشنی میں اپنے عہد تک کے تمام تاریخی حوادث و وقائع بھی شامل کر دئے تھے ۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اندلس کے دو بڑے مؤرخوں نے اسے اپنی تصانیف کی بنیاد بنایا اور جگہ جگہ اس کتاب کے اقتباسات درج کئے ہیں ۔ ان میں سے ایک ”المقتبس من انباء اهل الاندلس“ ، کا مصنف ابومروان حیان بن خلف بن حیان ہے اور دوسرا احمد المقرئ ہے ۔

المقرئ نے ”فتح الطیب“ میں عیسیٰ بن احمد الرازی کی کتاب سے جو اقتباسات پیش کئے ہیں ان میں سے ایک اقتباس بڑا دلچسپ اور اہم ہے ، بلکہ سبق آموز بھی ہے ۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ اسلامی اندلس کے خلاف نصرانیوں کی پہلی منظم بغاوت صرف چند عہد شکن او باشوں کی شورش تھی جو آگے چل کر ایک سیل بے اماں کی شکل اختیار کر گئی اور بالآخر اندلس سے ملت اسلامیہ کے مکمل اخراج اور جلاوطنی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ، اگر اس سے غفلت نہ برتی گئی ہوتی تو اندلس کی تاریخ کچھ اور ہوتی ۔ ہوا یوں کہ اشتوریس کے جلیقی عیسائیوں کا ایک سردار قرطبہ میں مسلمانوں کے پاس بطور یرغمال متمم تھا ۔ اس کا نام ”بلائی“ ، یا ”فلای“ ، تھا وہ اندلس کے گورنر الحارث بن عبدالرحمن ثقفی کے عہد میں قرطبہ سے بھاگ گیا ۔ یہ فتح اندلس کے بعد چھٹے سال یعنی ۹۸ ھ کا واقعہ ہے ۔ جب عنیسہ بن سحیم کلبی اندلس کا گورنر مقرر ہوا تو اس کے عہد میں بلائی نے جلیقیہ کے عیسائیوں کو منظم کیا اور اندلس کے غیر مفتوحہ علاقوں کو مسلمانوں سے محفوظ رکھنے کے لئے علم بغاوت بلند کر دیا ۔ مسلمان فاتحین اسے لاو لشکر سمیت جلیقیہ کی ایک پہاڑی تک دھکیل کر لے گئے ۔ اس کے ساتھ صرف تین سو مرد اور عورتیں تھیں ۔ ناکہ بندی کے باعث اس کے اکثر ساتھی بھوکوں مر گئے صرف تیس مرد اور عورتیں باقی بچے جو پانی اور شہد پر گزارہ کر کے زندہ رہے

مسلمانوں نے انہیں حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا۔ لیکن آگے چل کر یہی تیس آدی ایک خطرناک قوت بن گئے۔ ۱۳۳ھ میں بلای قوت ہو گیا اور اس کا بیٹا ”فافلد“ اس کا جانشین مقرر ہوا جو دو سال بعد مر گیا۔ پھر ایک شخص اذفونش بن بیطر جانشین ہوا جس نے آگے چل کر ایک شاہی خاندان کی بنیاد رکھی، اسی خاندان کے بادشاہ کے ہاتھوں غرناطہ کا سقوط اور اندلس سے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کا اخراج عمل میں آیا (۲۲)۔

حاجب المنصور بن ابی عامر کے لئے عیسیٰ الرازی نے دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک ”کتاب الوزارۃ و الوزراء“، اور دوسری ”کتاب الحجاب للخلفاء بالاندلس“۔ ان دو کتابوں میں اس نے اپنے عہد تک کے ان علماء فضلاء، ادباء اور شعراء کا تذکرہ کیا ہے جو اندلس کے مختلف بادشاہوں کے عہد میں وزیر یا حاجب مقرر ہوتے رہے (۲۳)۔ رازی نے ان اہل علم کے سوانح حیات کے ساتھ ساتھ ان کے علمی کمالات اور شعرو نثر کے نمونے بھی درج کئے ہیں۔ یہی دو کتابیں ابن الابار القضاعی کی ”کتاب الحلۃ السیراء“ کی بنیاد اور محرک ثابت ہوئیں۔ ابن الابار نے جو اقتباسات درج کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ الرازی نے نہ صرف حاجبوں اور وزیروں کے علمی کمالات اور مکتوبات و اشعار کے نمونے دئے تھے بلکہ اندلس کے سلاطین اور خلفاء کے علمی کارناموں اور انتخاب کلام سے اپنی کتاب کو مزین کیا تھا۔ عبدالرحمن بن معاویہ الداخل، جو عباسیوں سے بیچ کر اندلس پہنچ گیا تھا اور جسے عباسی خلیفہ المنصور نے صقر قریش، یعنی ”قریش کا شاہین“ کا لقب دیا تھا، جب سرزمین اندلس کا حکمران بن گیا تو ایک دن کھجور کے ایک الگ تھلگ اور تنہا پودے کو حسرت بھری نظر سے دیکھا اور کہا، اندلس میں یہ پودا بھی میری طرح اجنبی ہے جو عرب سے یہاں لایا گیا ہے۔ اس موقع پر عبدالرحمن نے اس پودے کو مخاطب کر کے کچھ شعر کہے تھے، یہ اشعار پہلے عیسیٰ الرازی نے اپنی کتاب الحجاب للخلفاء بالاندلس میں محفوظ کئے تھے اور پھر اس سے ابن الابار نے اپنی کتاب الحلۃ السیراء میں نقل کئے ہیں :

یانخل انت غریبہ مثلی فی الغرب نائیہ عن الاصل
ترجمہ : اے کھجور ! تو بھی میری طرح اجنبی ہے اور دیار مغرب میں اپنے وطن
اصلی سے دور ہے !

فابی ، وهل تبکی مکسہ عجماء لم تطیع علی خیل
ترجمہ : رو اے کھجور ! مگر کوئی بندلب ، بے زبان ، الجھنوں سے بے نیاز کب
روتا ہے !

لو انها تبکی اذا لبکت ماء الفرات و منبت النخل
ترجمہ : اگر وہ روتی تو پھر آب فرات اور نخلستانوں میں بھی ماتم برپا ہو جاتا !
لکنها ذھلت و اذھلنی بغض بنی العباس عن اھلی
ترجمہ : مگر وہ تو اپنے وطن کی یاد کو بھلا چکی ہے اور مجھے بھی بنو عباس
کے بغض نے اپنے خاندان سے غافل کر دیا ہے ۔

عیسیٰ بن احمد الرازی کی وفات ۳۷۹ ھ (۹۸۳ ع) میں ہوئی ، اندلس
کے بعض تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ وہ بنو اسبیہ کی اندلسی خلافت کا شیرازہ
بکھر جانے کے بعد بھی زندہ رہا اور قرطبہ کی خلافت بنو حمود کا زمانہ پایا ،
جہنوں نے ملوک الطوائف کے دور میں خلافت کے نام پر اسلامی اندلس کو
متحد کرنے کی نا تمام کوشش کی تھی ۔

حواشی

- (۱) اندلس کا تاریخی جغرافیہ
- (۲) نفع الطیب ، التکملہ
- (۳) تاریخ علماء الاندلس ۱/۱۳۰ ، نفع الطیب ۲/۷۶ ، التکملہ ۱/۳۶۶ -
- (۴) الاعلام ۷/۳۳۸ ، معجم المؤلفین ۱۲/۶۲ ، التکملہ ۱/۳۶۶ ، نفع الطیب ۲/۷۶ -
- (۵) الرسالة الشریفیة ص ۱۹۳ ، الاعلام ۷/۳۳۸ -

- (۶) ایضا -
- (۷) نفع الطیب ۲/۱۱۸، بغیة الملتبس ص ۱۳۰ -
- (۸) تاریخ علماء الاندلس ۱/۴۰
- (۹) نفع الطیب ۲/۲۷۶، الاعلام ۷/۳۳۸، معجم المؤلفین ۱۲/۶۲
- (۱۰) معجم الادباء ۴/۲۳۶، بغیة الوعاة ۱/۳۸۵ - الاعلام ۱/۱۹۹، معجم المؤلفین ۲/۱۶۳
- (۱۱) تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ ”ترجمان الحدیث“ جولائی ۱۹۷۰ء میں ہمارا مقالہ ”تذکرہ نگاروں کی ستم ظریفیاں“
- (۱۲) طبقات الامم ص ۷۲ -
- (۱۳) تاریخ علماء الاندلس ۱/۳۱
- (۱۴) جذوة المقتبس ص ۳۱۱
- (۱۵) جذوة المقتبس ص ۹۷، نیز دیکھئے تاریخ علماء الاندلس ۱/۴۱، اور بغیة الملتبس ص ۱۳۰ -
- (۱۶) جذوة المقتبس ص ۹۷
- (۱۷) معجم الادباء ۴: ۲۳۶
- (۱۸) نفع الطیب ۲: ۱۱۸
- (۱۹) نفع الطیب ۲: ۱۱۱، تکملة ابن البار ۱: ۱۳۰
- (۲۰) دائرہ معارف اسلامیہ مقالہ ”الرازی“
- (۲۱) الذیل و التکمة ۵/۴۹۱
- (۲۲) نفع الطیب ۲/۶۷۲
- (۲۳) الذیل و التکمة ۵/۴۹۱

